یہ بات پورے ملک کی آبادی کے لئے عزت و افتخار کی بات ہے کہ اس کو میزبان رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، لیکن اسی کے ساتھ بڑی ذمہ داری اور امتحان کی بھی، جس شہر کے دروازہ پر میزبان رسول کی قبر مبارک ہو، اس شہر کے اندر کفر و الحاد اور فسق و فجور کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

اس شہر قسطنطنیہ (اور موجودہ عرف و رواج کے مطابق استنبول) کے لئے دوسرے شرف و امتیاز کی بات یہ ہے کہ تنہا اس شہر و دار السلطنت کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نام لے کر فتح کی پیشین گوئی فرمائی اور اس کی بشارت دی، اور اس کے امیر لشکر اور لشکر کی تعریف کی۔ حدیث ہے۔ ——

—— "لتفتحنّ القسطنطنیۃ، فلنعم الامیر امیرها ولنعم الجیش ذالک الجیش" ——

(تم ضرور قسطنطنیہ فتح کرو گے، اس مہم کا امیر بہترین امیر ہے، اور یہ لشکر بہترین لشکر)۔

قسطنطنیہ عہد نبوی میں اور اس کے عرصہ بعد تک قیاصرہ کی عظیم الشان سلطنت رومۃ الکبری (The Great Roman Empire) کی جانشین مشرقی شاخ بازنطینیہ ———— (Byzantine Empire) کا دار السلطنت تھا، جس کی مملکت اور نو آبادیات (ماتحت صوبوں) میں شام، فلسطین، مصر و حبشہ وغیرہ مشرقی ممالک بھی تھے، اسی کے حکمراں شہنشاہ ہرقل اول (Heraclius the First) کے نام وہ فرمان نبوی گیا تھا، اور اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، جس کا ذکر احادیث و سیر کی مستند کتابوں میں آتا ہے، اور جس پر اس کا ابو سفیان کے ساتھ (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) مفصل مکالمہ ہوا، اس نے اپنی معلومات کے لئے کچھ سوالات کئے اور ابو سفیان نے ان کا صحیح جواب دیا، صحیح بخاری کی کتاب الوحی میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

اسی بازنطینی سلطنت کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جنگیں ہوئیں، جن کے نتیجہ میں پورا ملکِ شام اور مصر و حبشہ فتح ہو کر اسلامی سلطنت اور خلافتِ راشدہ کے قلمرو میں شامل ہوئے، بعد کی صدیوں میں بازنطینہ کی وسعت و قوت بہت گھٹ گئی، لیکن اس حالت میں بھی اس کے دار السلطنت قسطنطنیہ (استنبول) کا وجود بجائے خود نہایت اہم تھا، اس سے مسیحی یورپ اور ایشیا، بلکہ پوری مسیحی دنیا کی عزت و آبرو قائم اور اس کو اس کے دینی و سیاسی مرکز ہونے کی حیثیت حاصل تھی، مسیحیت کے قصر سلطنت کی یہ پہلی اور آخری اینٹ اپنی جگہ قائم تھی، عربوں اور مسلمان فاتحین نے گیارہ بار اس کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے، اللہ تعالےٰ نے یہ بے نظیر اور قابل صد فخر و موجب ہزار شکر سعادت و عزت جواں سال عثمانی سلطان محمد الثانی الفاتح ابن مراد الثانی (۸۳۳ھ - ۸۸۶ھ ۱۴۲۹ء - ۱۴۸۱ء) کے حصہ میں رکھی تھی، انتظامی، سیاسی و حربی مصالح و ضروریات کے علاوہ جن کا تقاضہ تھا کہ ایشیائے کوچک اور یورپ میں نوزائیدہ عثمانی سلطنت کے بقاء استحکام کے لئے قسطنطنیہ کو عثمانی سلطنت کے زیر نگیں لایا جائے کہ وہ اس کا فوجی اور سیاسی لحاظ سے موزوں ترین اور ضروری حد تک دار السلطنت بن سکتا ہے، بلکہ نپولین کے بقول "اگر دنیا کبھی ایک متحدہ سلطنت کی حیثیت اختیار کرلے گی، تو قسطنطنیہ اس کا (اپنی قدرتی قلعہ بندی اور جائے وقوع کی بناء پر) بہترین دار السلطنت ہوگا"۔ سلطان محمد کے لئے جس کی عمر ابھی تئیس چوبیس سال ہی کی تھی قسطنطنیہ فتح کرنے کا سب سے بڑا محرک اور قلبی و ایمانی داعیہ (جو بعض اوقات سیاسی مصالح و منافع پر بھی فوقیت رکھتا ہے) اس بشارت اور پیشین گوئی کا مصداق بننا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے لشکر کا امیر بہترین امیر ہوگا، اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا، اس نے ۱۱ ربیع الثانی ۸۵۷ھ، (اپریل ۱۴۵۳ء) میں قسطنطنیہ پر اپنے اس وقت کے دار السلطنت ادرنہ (اڈریہ نوپل) سے چل کر حملہ کیا اور اس کے لئے وہ پوری حربی و انتظامی تیاری کی جو اتنی بڑی حربی مہم کے لئے کرنی چاہئے تھی، اور اس وقت کے جدید ترین آلات حربی استعمال کئے، اور خاص طور پر سب سے

بڑی دور مار اور طاقت ور توپ جو اس وقت تک ایجاد ہوئی تھی، اور یہی قرآن مجید کی تعلیم اور ایک حقیقت پسند اور تجربہ کار مجاہد کا شیوہ ہے

"اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلہ کے) لئے مستعد رہو" ۔ (سورۃ الانفال - ٦٠

محمد الثانی کے اس دینی جذبہ 'بشارت نبویؐ پر اعتماد اور اس کا مصداق بننے کے شوق کا اندازہ' اس کے طرز عمل اور جذبات سے ہوتا ہے جو اس جنگ میں ظاہر ہوئے -)

مورخ لکھتا ہے کہ

"فاتح اپنے خیمہ میں آیا فوج کے سپہ سالاروں اور لشکر کو جمع کیا اور ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر قسطنطنیہ کی فتح نے ہمارے ہاتھوں تکمیل پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی ' آپ کے ایک معجزہ کا ظہور ہوگا ' اور ہمارے حصہ میں یہ عزت و شرف آئے گا ' ہمارے فرزندوں (اہل لشکر) کو فرداً فرداً یہ سنا دیجئے ' اور تاکید کیجئے کہ شریعت غراء کی تعلیمات کو ہر شخص مد نظر رکھے ' اور کوئی کارروائی اس کے خلاف نہ ہو ' گرجوں اور عبادت گاہوں کے ساتھ کوئی اہانت آمیز سلوک نہ ہو ' پادریوں ' کمزوروں اور معذور لوگوں سے جو جنگ نہیں کر رہے ہیں ' تعرض نہ کیا جائے "۔

میں نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے (جو عرصہ تک مالٹا میں ترک اسیرانِ جنگ کے ساتھ رہے تھے ' اور ان سے بہت سی باتیں سنی تھیں) یہ سنا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے وقت اس کو خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قسطنطنیہ کے فتح کی بشارت دی ' لوگوں نے جب سنا تو اس کو مبارک باد دی ' اس نے کہا کہ نہیں ' میرا دل تو اس وقت خوش ہوگا جب مجھ کو اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بشارت ملے گی ' اگلے دن اس کو خواب میں زیارت ہوئی اور یہ مژدہ اس نے آپ کی زبان مبارک سے سنا ' اس وقت وہ مسرور و مطمئن ہوا ۔

محمد فاتح جب قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخل ہوا اور اس نے وہاں کے تاریخی اور مقدس مرکز طوپ قاپو سی (Top Kopi) پر ترکی جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اتر آیا ' زمین پر سر رکھ کر سجدہ شکرانہ ادا کیا ' اور اپنے ہاتھوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کی تکمیل پر اللہ کی حمد و ثنا کی ' بعض مورخین نے لکھا ہے کہ فاتح نے زمین پر سجدہ کیا اور اپنے سر پر اس شکر میں مٹی ڈالی کہ اللہ نے یہ شرف اس کو نصیب فرمایا -

محمد الفاتح ظہر کے قریب اپنے وزراء اور امرائے سلطنت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تھا ' سینٹ صوفیا کے گرجے کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اترا ' اس عالی شان معبد میں داخل ہو کر ' جس میں گیارہ سو برس سے تین سو خداؤں کی پرستش ہوتی تھی ' خدائے واحد کی تقدیس کے لئے سر بہ سجود ہوا ' اس نے ایک عالم کو جو اس وقت اس کی رفاقت میں تھے ' حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے اذان دیں ' نماز عصر پڑھی گئی اور اعلان ہوا کہ جمعہ کی پہلی نماز جامع ایا صوفیا میں پڑھی جائے گی -

کمال اتاترک نے اس مسجد کو میوزیم میں تبدیل کر دیا ' اب وہاں نماز پڑھنے کی قانوناً ممانعت ہے -

حاضرین اور ترک نژاد بھائیوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ محمد الفاتح مرحوم کا قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخلہ کس طرح ہوا ؟ لیکن اس کو پھر یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ خلیج کو زنجیروں سے ناقابل عبور بنا دیا گیا تھا ' اب جو حصہ غلطہ کہلاتا ہے ' اس پر اہل وینس کا قبضہ تھا ' قدیم قسطنطنیہ پر بیزنطینیوں کا ادھر حصار سخت تھا ' محمد الفاتح کا بحری بیڑا بحر اسود کی طرف سے بحیرہ مرمرہ (Marmara) سے آ رہا تھا ' خلیج القرن الذہبی کے دہانہ کو بیزنطینیوں نے اس ڈر سے لوہے کی زنجیروں سے بند کر دیا تھا کہ ان کو بحیرہ مرمرہ کی طرف سے محمد الفاتح کی فوجوں کے آنے کا ڈر تھا ' محمد الفاتح نے غلطہ کی خشکی پر پچاس کشتیوں کو پھسلا کر قاسم پاشا کی طرف سے خلیج القرن الذہبی Golden Horn میں اتار دیا ' اور اس طرح ایک ناممکن عمل کو ممکن کر کے دکھا دیا ' صبح بیزنطینیوں کو اچانک معلوم ہوا کہ محمد الفاتح کی کشتیاں خلیج میں موجود ہیں ' لیکن یہ بات قسطنطنیہ کی فتح کے لئے کافی نہ تھی ' محمد الفاتح سخت مزاحمت کر کے تقریباً ایک ہفتہ میں اپنی فوجوں کے ذریعہ سیدنا ابو ایوبؓ کی طرف سے قسطنطنیہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا ' شہنشاہ قسطنطین خود معرکہ کی قیادت کر رہا تھا ' اس لئے اپنی سرخ عبا جو قیاصرہ کی امتیازی پوشاک تھی ' اتار کر پھینک دی ' اور ترکی فوج کے بڑھتے ہوئے طوفان میں گھس کر لڑتا ہوا مارا گیا -

مجھے بڑی خوشی ہے کہ ابھی ترکی میں محمد فاتح کا

نام زندہ ہے اور شاید کسی ترکی سلطان اور ترک شخصیت کا وہ احترام اور اس سے وہ محبت نہیں جو سلطان محمد فاتح سے ہے - میں نے جب بچوں کا نام

پوچھا تو اکثر " محمد فاتح " سننے میں آیا - میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس نام کو زندہ رکھیں ' اور اپنے بچوں کا نام تیمناً و تبرکاً محمد فاتح رکھا کریں ' شاید کسی سعید بچہ اور نوجوان کے دل میں وہ جذبہ پھر انگڑائی لے اور فوجی و سیاسی حیثیت سے نہ سہی ' دینی و دعوتی اور فکری و اصلاحی راستہ سے پھر وہ اس ملک کا محمد فاتح ثابت ہو - ایک فرانسیسی مورخ جیہ Giyah نے سلطان محمد فاتح کے دو سو سال بعد اس کی حکومت کی تاریخ پر کتاب لکھی ہے - اس میں لکھا ہے کہ " دنیا کی تمام مسیحی اقوام کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہئے کہ دوبارہ روئے زمین پر سلطان محمد فاتح جیسا حکمراں اور فاتح نہ پیدا ہو " - محمد الفاتح کتاب کے مصنف ڈاکٹر سالم الرشیدی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " اس کے مقابلہ میں ہر مسلمان کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دوبارہ سلطان محمد فاتح جیسا طاقتور اور عبقری شخص نصیب فرمائے " -

محمد فاتح کی اس تاریخ ساز اور عہد آفریں کامیابی اور فتح کے بعد پھر وہ دور آیا کہ اس ملک نے پورے عالم اسلام کی تولیت کی ذمہ داری اٹھائی - تاتاریوں کے حملہ (ساتویں صدی ہجری ' تیرہویں صدی عیسوی) سے عالم اسلام پامال ہو گیا تھا ' اس وقت تاتاری خود مسلمان ہو گئے - وسط ایشیا کی تاتاری النسل قوم کی ایک شاخ نے ترکی میں اسلامی حکومت قائم کی - یورپ کے ایک بڑے رقبہ پر آلِ عثمان نے قبضہ کر لیا ' سلطان سلیم اول (۹۱۸ھ - ۹۲۶ھ - ۱۵۱۲ء - ۱۵۲۰ء) کے زمانہ میں مصر کی فتح کے بعد ترکوں کا حجاز پر بھی قبضہ ہو گیا ' اور اس نے خادم الحرمین الشریفین کا لقب حاصل کیا - یہ شرف سلیم کے بعد اس کے جانشینوں کو چار سو برس تک حاصل رہا - حرمین شریفین کی خدمت کا شرف جب سلیم کو حاصل ہو گیا ' تو آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے جو قاہرہ میں مملوک سلاطین کے زیر سایہ ظاہری شان و شوکت کے ساتھ مگر حقیقتاً بغیر کسی اختیار و اقتدار کے زندگی بسر کر رہا تھا ' خلافت کے تمام حقوق و امتیازات بھی اسے تفویض کر دیئے ' اور مقامات مقدسہ ' و حرمین شریفین کی کنجیاں ' نیز آثار نبویہ (تلوار ' علم اور چادر) بطورِ سندِ خلافت اس کے حوالہ کر دیئے - اس تاریخ سے سلاطین عثمانی " خلیفہ " کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے ' اور خطبوں میں ان کا ذکر بحیثیت امیر المومنین کے ہونے لگا -

ڈاکٹر عزیز صاحب مصنف " دولت عثمانیہ " لکھتے ہیں کہ

" اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت دنیائے اسلام کی خلافت کا حق بھی ترکوں کو پہنچتا تھا - کوئی دوسری اسلامی سلطنت طاقت و وسعت میں دولت عثمانیہ کے برابر نہیں تھی - یہی سلطنت تمام دوسری سلطنتوں سے زیادہ شرع و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی تھی اور تقریباً ڈیڑھ صدی سے جہاد کا فرض ادا کرتی آ رہی تھی ' چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان سلیم کی خلافت کا اعلان کیا گیا ' تو دنیائے اسلام کے کسی گوشہ سے اس کی مخالفت نہیں ہوئی " - -

اس وقت سے مصر و شام ' فلسطین ' حجاز و یمن اور عراق سب خلافت عثمانیہ کے دائرہ میں داخل ہو گئے - اس چار سو پانچ سو برس میں ساری دنیا میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی - سلطان عبد الحمید ثانی کے وقت تک کوئی مقامات مقدسہ پر نظر اٹھانے کی جرات نہ کر سکتا تھا - ترکوں نے حجاز مقدس کی بھی خدمت اور تولیت کا فرض انجام دیا - مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی موجودہ عمارت سلطان مراد کی بنائی ہوئی ہے ' اور مسجد نبویؐ کی تعمیر و تزئین سلطان عبد المجید اول کا کارنامہ ہے جو ۱۲۶۵ھ - ۷۱ھ میں انجام پایا -

حرمین شریفین کے ساتھ ترکوں نے مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی بھی حفاظت کا فرض انجام دیا - میں نے الحاج سید امین الحسینی مفتیٔ اعظم فلسطین سے خود سنا ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک وفد سلطان عبد الحمید خاں سے ملا ' اور اس نے کہا کہ اگر آپ قدس اور فلسطین میں ہمیں اپنا مرکز و وطن بنانے کی اجازت دے دیں تو ہم ترکی سلطنت کا سارا قرضہ ادا کر دیں گے - سلطان عبد الحمید خاں نے زمین سے مٹی کی ایک چٹکی اٹھائی اور کہا کہ ہم فلسطین کی خاک میں سے اتنا بھی تم کو دینے کے لئے تیار نہیں '

پھر اپنے محافظ افسر پر عتاب آمیز نظر ڈالی اور کہا کہ اس کتے کو کس نے میرے پاس آنے کی اجازت دی ؟

آپ یاد رکھیں کہ یورپ نے ترکی کو کبھی قبول نہیں کیا- یہ وہ نوالہ ہے جو اس سے نہ نگلا گیا' نہ اگلا گیا- پہلے اس نے بلقان کی ریاستوں کو بغاوت اور اس سے جنگ پر آمادہ کیا' اور ترکی کے بہت سے علاقے یورپ کے قبضہ میں چلے گئے - پھر جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء) میں اتحادیوں نے ترکی کو اپنے ساتھ شامل نہیں ہونے دیا - وہ مجبوراً جرمنی کے ساتھ شامل ہوا- اتحادیوں نے اس کے حصے بخرے کر لینے اور اس کے بیرونی مقبوضات پر قبضہ کر لینے کا پورا منصوبہ بنایا' جس کے نتیجہ میں شام ' فلسطین ' لبنان ' اردن (جو سب شام کا جزء تھے) اور عراق پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا' لیکن ترکی کا مرکز براہ راست یورپ کے قبضہ میں کبھی نہیں گیا-

لیکن اب یورپ نے اپنا نقشہ جنگ بدل دیا ہے - اب اس نے حملہ اسلحہ جنگ اور فوجی طاقت کے ذریعہ سے نہیں ' کلچر ' ذرائع ابلاغ (Public Media)' نظام تعلیم ' اور افکار و نظریات کے ذریعہ شروع کیا ہے -

یورپ ' ترکی کو مسلمان نہیں دیکھنا چاہتا- اس نے زیر زمین سرنگ بچھا رکھی ہے اور جو کام وہ اپنی فوجوں اور توپوں کے ذریعہ نہیں کر سکا' وہ اندرونی ذرائع سے کر رہا ہے - عصر حاضر کے مشہور فلسفی مورخ (Arnold Toynbe) نے لکھا ہے کہ " عربوں کے کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی روایت تاریخی طور پر صحیح ہو یا بے بنیاد' اب کسی کو کتابی ذخیرہ کو جلانے یا کسی زبان و ثقافت کے مٹانے کی ضرورت نہیں ' رسم الخط کا بدل دینا کافی ہے - اس طرح ملک و قوم کا رشتہ ماضی سے کلی طور پر منقطع کیا جا سکتا ہے " - یورپ و امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کی کوشش ہے کہ ترکی کو دوسرا اسپین بنا دیا جائے ' اس لئے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے -

فاتح مصر صحابی رسول سیدنا عمرو بن العاص کی اس حکیمانہ وصیت اور تلقین کو ہمیشہ ہر زمانہ اور ہر اسلامی ملک میں یاد رکھنے کی ضرورت ہے جو انہوں نے مصر کو کلیتاً فتح کر لینے کے بعد ایسی حالت میں کی کہ مصر کے قدیم باشندے جوق در جوق اسلام قبول کر رہے تھے ' اور " یدخلون فی دین اللہ افواجا " کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا - ملک کی زبان ' تہذیب اور بالآخر رسم الخط بھی بدل رہا تھا ' مساجد تعمیر ہو رہی تھیں اور شعائر اسلام بلند ' جزیرۃ العرب سے قریب ہونے ' اسلامی فتوحات کے سیلاب اور اس کی پے در پے کامیابیوں کے پیش نظر بظاہر اس کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ مصر اسلامی اقتدار کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا-

لیکن انہوں نے اپنی ذہانت ' دور بینی اور اس فراست کی بنا پر جو صحبت نبوی کی برکت سے ان کو حاصل ہوئی تھی ' مسلمانوں اور عرب فاتحین سے کہا " انتم فی رباط دائم " تم دائمی طور پر سرحد و محاذ جنگ پر کھڑے ہوئے ہو ' اور دائمی ناکہ بندی کی حالت میں ہو ' اس لئے کہ بر اعظم افریقہ کی ساری قوموں ' غیر مسلم حکومتوں اور آبادی کی نگاہیں تمہارے اوپر ہیں ' اور ان کے دل اس طرف لگے ہوئے ہیں کہ ملک کو پھر قدیم حالت میں لے آیا جائے -

اب سوال یہ ہے کہ اس ملک و ملت کو اسلام سے وابستہ اور پیوستہ رکھنے کی ترکیب کیا ہے ؟ اس کے لئے دعوت کے میدان کے تجربہ ' قرآن کے تدبر اور تاریخ کے وسیع و عمیق مطالعہ کی بنا پر تین باتیں عرض کرتا ہوں ' ان کو غور سے سنئے -

۱- ترکی کے مسلم عوام میں ایمان و عقیدہ کی طاقت کو طاقت پہنچایئے (جس کی چنگاریاں اس کے خاکستر میں بہرحال موجود ہیں) - ان کے دینی شعور کو بیدار اور متحرک بنانے کی ضرورت ہے - ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لئے گرم جوشی ایک ایسی بلند اور مستحکم فصیل اور اسلام کا آہنی حصار ہے جس کی بدولت بہت سی مسلم (یا مدعی اسلام) قیادتوں اور حکومتوں کو کھل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو کفر و الحاد کے آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہو سکتی ' خدانخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا اور مسلم عوام کا رشتہ اور ان کی روحانی اور جذباتی وابستگی اسلام سے ختم ہو گئی ' تو پھر ان ملکوں میں اسلام کے بقا اور تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں ' اور ان ملکوں کو اسپین اور روسی ترکستان بنا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی - یہ وہ خام مال (Raw Material) ہے ' جس سے بہترین انسانی مصنوعات تیار کی جا سکتی ہیں ' اور مردم

سازی اور آدم گری کا کام لیا جا سکتا ہے - صدہا خامیوں اور قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود یہ وہ انسانی مجموعہ ہے ' جس پر پیغمبرانہ توجہات اور اہل قلوب اور اہل خلوص کی محنتیں صرف ہوئی ہیں ' اور وہ آج بھی اپنے خلوص قلب ' اپنی محبت ' گرم جوشی اور ایثار و قربانی کے جذبہ اور صلاحیت میں دوسری انسانی جماعتوں اور مذہبی قوموں سے فائق و ممتاز ہے -

اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ ان عوام کی زندگی میں اسلام پورے طور پر کار فرما اور حکمراں ہو - اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

" مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو ' وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے " - (سورہ البقرہ ۲۰۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں سو فی صد مسلمان ہونا چاہئے - دس فیصدی اور بیس فیصدی اسلام پر عمل کرنے سے کام نہیں چلے گا - یہ نسبت تعلیم میں ' ملازمتوں میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں چل سکتی ہے ' عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنا ' فرائض و عبادات کا پابند ہونا ' اور بعض اسلامی شعائر و علامتوں کا حامل ہونا کافی نہیں - ضروری ہے کہ معاشرت بھی اسلامی ہو ' تمدن بھی اسلامی ہو - عائلی قانون (Personal Law) میں بھی شریعت کے احکام پر عمل ہو - حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کئے جائیں ' پھر اس کے ساتھ دین کی محبت کے ساتھ دین کی حمیت بھی ہونی چاہئے -

ایمان عوام کا بڑا محافظ اور فصیل ہے - یہ وہ قلعہ ہے جو آسانی سے فتح نہیں ہو سکتا - اس لئے پہلا کام یہ ہے کہ پوری قوم کو پوری طرح سے مسلمان بنانے کی کوشش کیجئے - اس کے لئے دعوتِ عام کا راستہ اختیار کیجئے ' نقل و حرکت ' خطاب و دعوت ' اور سفروں کی صعوبت برداشت کیجئے ' اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے سبق لیجئے کہ انہوں نے (جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہونے ' اور ہمہ وقت صحبت اور عبادات جلیلہ کے ساتھ (جن کی اللہ نے ان کو توفیق دی) اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی اشاعت کے لئے بڑی عمر میں بھی باہر نکلنا ضروری سمجھا ' اور مدینہ سے چل کر (جس میں ہر مسلمان کو مرنے اور اس کی خاک پاک میں جگہ پانے کی آرزو ہوتی ہے) بحر و بر طے کر کے قسطنطنیہ جیسے دور دراز مقام پر تشریف لائے ' اور اس کو اپنا آخری مرقد بنایا -

۲- دوسرا کام یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی کوشش کیجئے - ایسا نہ ہو کہ آپ کی آئندہ نسل صرف ترکی زبان جانے ' صرف سرکاری اسکولوں میں اس نے تعلیم پائی ہو ' دین کے بارے میں اس کی کچھ معلومات نہ ہوں - اگر آپ سب کے سب ولی اللہ اور تہجد گزار بن جائیں (اور خدا ایسا کر دے) لیکن اگر آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم سے غفلت برتی تو خطرہ موجود ہے - آپ کے بعد مسجدوں کو کون آباد کرے گا ' اسلامیت کا یہ تسلسل جو آپ کو من جانب اللہ اور حقانی داعیوں اور مبلغوں ' علمائے ربانیین ' اور مخلص و سرفروش مجاہدین اور فاتحین کے ذریعہ حاصل ہوا ' کیسے قائم رہے گا ؟ آپ دیکھئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جو خود انبیاء کی تیسری پشت میں تھے ' ان کے والد ماجد حضرت اسحاق پیغمبر ' ان کے عم نامدار حضرت اسماعیل پیغمبر ' اور ان کے جد بزرگوار حضرت ابراہیم (علیہ و علیٰ نبینا السلام) عالی مرتبت پیغمبر اور ابو الانبیاء تھے ' ان کے گھر میں سوائے توحید خالص اور عبادت الٰہی کے اور کسی چیز کی فضا اور ہوا نہ تھی - شرک اور بت پرستی کا سایہ بھی اس گھر پر ایک صدی سے نہ پڑا ہوگا ' لیکن بقول شاعر - ع

عشق است و ہزار بدگمانی

انہوں نے اس کو کافی نہ سمجھا - اپنے فرزندوں ' نواسوں اور پوتوں کو جمع کیا اور ان سے کہا " ما تعبدون من بعدی " (تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے) گویا زبان حال سے کہا ' میرے پیارو! میری پیٹھ قبر سے نہ لگے گی ' جب تک میں یہاں سے اطمینان لے کر نہ جاؤں کہ تم میرے بعد کس کی بندگی کرو گے ؟

مجھے یقین ہے کہ ان کے ان سب فرزندوں اور فرزندوں کے فرزندوں نے یہی کہا ہوگا کہ والد صاحب ! دادا جان ! نانا جان ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے ؟ آپ نے ہمیں تعلیم کیا دی ؟ اور ہم نے ساری عمر کیا دیکھا اور کیا کیا ؟ ہم آپ کے معبود ' آپ کے چچا و والد اسماعیل و اسحاق اور آپ کے دادا جان حضرت ابراہیم

کے معبود کی پرستش کریں گے ' جو اکیلا پرستش کے قابل ہے ' اور ہم اس کے آگے سر جھکانے والے اور فرماں بردار ہوں گے -

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے اس نازک وقت میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو عام طور پر بزرگ خاندان اپنے وارثوں سے سکرات کے ایسے نازک وقت میں کہا کرتے ہیں ' نہ اتحاد و اتفاق کی بات ' نہ کسی دفینہ اور خزانہ کی خبر ' نہ قرض و مطالبات کے بارے میں ہدایت ' نہ شریفانہ زندگی گزارنے کی تلقین ' بس ایک بات " ما تعبدون من بعدی ؟ "

میرا دل تو اس وقت خوش ہو گا جب مجھ کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشارت ملے گی

انہیں صرف ایک بات کی فکر تھی کہ ان کے بعد ان کی اولاد ایمان اور دین صحیح پر قائم رہے ' اور خدائے واحد کی بندگی کرے ' اور انہیں اس وقت تک اطمینان نہیں ہوا ' جب تک کہ انہوں نے اپنی اولاد سے اس پر قائم رہنے کا اقرار نہیں کروا لیا - ہر ملک کی موجودہ مسلمان نسل کے لئے یہی اسوہ نبوی ' سنت انبیاء اور دین و ایمان کا تقاضہ ہے -

۳ - تیسری بات جو مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا دین پر عمل کرنا مبارک ' یہ نقل و حرکت ' دعوت و تبلیغ مبارک ' دینی مدارس میں فقہ و حدیث اور عربی کی تعلیم پانا ' اور قرآن مجید کا حفظ و تجوید مبارک ' اور اپنے بچوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی فکر کرنا بھی مبارک ' لیکن ایک بات اور ہے جو کچھ کم اہم نہیں - اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو طبقہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہا ہے ' (اور وہی تعداد میں زیادہ اور اثر و رسوخ میں بڑھا ہوا ہے) اور جو نوجوان یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آ رہے ہیں ' یہی طبقہ ہر ملک میں ملک پر حاوی اور بااثر ہوتا ہے ' وہی قیادت کرتا ہے ' وہی پلاننگ (منصوبہ بندی) کرتا ہے ' وہی ملک کا رخ تعین کرتا ہے ' اسی کا طرز زندگی ملک کا عوامی فیشن بنتا ہے ' ملک کا نظام تعلیم اور ذرائع ابلاغ اسی کے قبضہ میں ہوتے ہیں ' وہی خوب کو ناخوب اور " ناخوب " کو خوب بنا دیتا ہے ' اور آخر میں ملک کے نظم و نسق پر حاوی ہو کر اور آئین سازی اور تقنین Legislation کے منصب پر فائز ہو کر وہ جس چیز کو چاہتا ہے ' اس کی اجازت دیتا ہے ' اور جس چیز کو چاہتا ہے ' اس کو ممنوع اور خلاف قانون قرار دے دیتا ہے - اس طرح پوری قوم اور اس کی معاشرت و تمدن ' اس کی نسل کا مستقبل ' یہاں تک کہ (اللہ محفوظ رکھے) دینی فرائض کی ادائیگی ' شعائر اسلامی اور مدارس و مساجد اور اس کا عائلی قانون (Personal Law) اس کے رحم و کرم پر رہ جاتا ہے - یہ بہت سے آزاد مسلم ممالک کا تجربہ ہے جن کی اکثریت مسلمان ہے - بلکہ وہ ملک تقریباً کلیتاً پشتینی مسلمان ہے - اور کبھی وہ ممالک علم دین اور دعوت اسلامی کا عظیم ترین مرکز رہ چکے ہیں ' اور اب بھی وہاں بڑی بڑی دینی جامعات قائم ہیں - ان کے نام لینے کی ضرورت نہیں آپ خود ان کو سمجھ سکتے ہیں -

اس لئے آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ اس طبقہ کو ہرگز ہرگز نظرانداز نہ کیجئے - علمی و فکری غذا کے ذریعہ موثر لٹریچر اور ان کی نفسیات اور علمی درجہ کے مطابق اسلام کی تفہیم اور اس کی ضرورت و عظمت کو ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے ' اور ان کے دلوں اور دماغوں کو ایمانی و شعوری طریقہ پر اسلام کی ابدیت ' اس کی تعلیمات کی صداقت اور اس کے ہر زمانہ میں قیادت کی صلاحیت پر مطمئن کیجئے -

یاد رکھئے یہ زمانہ نظریات و افکار اور بین الاقوامی تعلقات کا زمانہ ہے - اس لئے علمی و فکری سطح پر کام کرنے اور جدید طبقہ کو (جو برسر قیادت ہونے کو ہے) اس بات پر مطمئن اور اس کا قائل کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ہی دنیا کا نجات دہندہ اور اسلام ہی صحیح زندگی گزارنے کا واحد راستہ ہے - ورنہ یہ دنیا خدا فراموشی کے راستہ پر چل کر خود فراموشی اور بالآخر خود کشی کی منزل کی طرف جا رہی ہے - OO

بہ شکریہ ہفت روزہ "ندا" لاہور
۸ رمئی ۱۹۹۰ء